مگر یہ معلوم نہ ہوا کہ انہوں نے یہ دعوت قبول کی یا نہیں۔ اہل بنارس راہ دیکھتے دیکھتے تھک گئے۔ بالا جی روز بروز دکھن کی طرف بڑھتے جاتے تھے۔ آخر لوگوں کو مایوسی سی ہوگئی اور سب سے زیادہ مایوسی برجن کو ہوئی۔ ایک روز جب کسی کو سان و گمان بھی نہ تھا کہ بالا جی بنارس آ گئے۔

پران ناتھ نے آ کر کہا: ''بہن لو خوش ہو جاؤ، آج بالا جی تشریف لا رہے ہیں''

برجن کچھ لکھ رہی تھی کہ ہاتھ سے قلم چھوٹ گیا۔ مادھوی اٹھ کر دروازے کی طرف لپکی۔ پران ناتھ نے مسکرا کر کہا ''ابھی تھوڑے ہی آ گئے کہ یوں بے صبری ہوئی جاتی ہے''

مادھوی: ''کب آئیں گے ادھر ہی سے ہو کر جائیں گے نا؟''

پران ناتھ: ''یہی تو معلوم نہیں کدھر سے آئیں گے۔ انہیں جلوس اور دھوم سے نفرت ہے۔ اسی لیے پہلے سے آنے کی تاریخ نہیں مقرر کی۔ راجہ صاحب کے پاس آج صبح کو ایک آدمی نے آ کر خبر دی کہ بالا جی آ رہے ہیں اور کہا ہے کہ میرے استقبال کے لیے دھوم دھام نہ ہو۔ مگر یہاں بنارس کے لوگ اسے کب مانتے ہیں۔ استقبال ہوگا اور دھوم دھام کے ساتھ جلوس نکلے گا اور ایسا شاندار کہ شہر کی تاریخ میں یاد رکھنے کے قابل، چاروں طرف آدمی چھوڑے ہوئے ہیں کہ جوں ہی انہیں آتے دیکھیں ہر ایک محلے میں ٹیلی فون سے خبر پہنچا دی جائے۔ کالج اور اسکولوں کے طلباء وردیاں پہنے بیرقین لیے اشارہ کے منتظر ہیں۔ گھر گھر پھول برسانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ بازار میں دوکانیں سجائی جا رہی ہیں۔ شہر میں ایک ہلچل مچی ہوئی ہے۔''

مادھوی: ''ادھر سے جائیں گے تو ہم روک لیں گے''

پران ناتھ: ''ہم نے تو کوئی تیاری کی ہی نہیں۔ روک کیا لیں گے۔ اور یہ بھی تو نہیں معلوم کہ کدھر سے جائیں گے۔ رادھا چرن نے دھوکا دیا۔ انہوں نے کہا تھا کہ امرتسر کی طرف سے ان کے آنے تک لوٹ آؤں گا اور ابھی تک ان کا کہیں پتہ نہیں

خیر''

برجن: ''(سوچ کر) آرتی اتارنے کا انتظام تو کرنا ہی ہوگا''

پران: ''ہاں اب کیا اتنا بھی نہ ہوگا۔ میں باہر فرش وغیرہ بچھواتا ہوں''

پران ناتھ باہر تیاریوں میں مصروف تھے۔ مادھوی پھول چننے لگی۔ برجن نے رو پہلا تھال دھو دھو کر صاف کیا۔ سیوتی اور چندر اندر سب چیزیں قرینہ سے رکھنے لگیں۔ مادھوی خوشی کے مارے پھولی نہ سما رہی تھی۔ بار بار چونک کر دروازہ کی طرف دیکھتی کہ کہیں وہ آ تو نہیں گئے۔ بار بار کان لگا کر سنتی کہ کہیں باجے کی آوازیں تو نہیں آ رہیں۔ دل مارے خوشی کے دھڑک رہا تھا۔ پھول چنتی تھی مگر دھیان دوسری طرف تھا۔ ہاتھوں میں کتنے ہی کانٹے چبھا لیے۔ پھول کے ساتھ کئی پیڑوں کی ٹہنیاں مروڑ ڈالیں۔ کئی دفعہ شاخوں میں الجھ کر گری۔ کئی دفعہ ساڑھی کانٹوں میں پھنسا دی۔ اس وقت اس کی حالت بالکل بچوں کی سی تھی۔

مگر برجن کا چہرہ بالکل اداس تھا۔ جیسے بھرا ہوا پیالہ ذرا سا ہلنے سے بھی چھلک جاتا ہے، اسی طرح جوں جوں پرانی باتیں یاد آتی تھیں، اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے تھے آہ! کبھی وہ دن تھے کہ ہم اور وہ بھائی بہن تھے۔ ساتھ کھیلتے تھے ساتھ رہتے تھے۔ یا آج سولہ سال گزر گئے ان کی صورت دیکھنی بھی نصیب نہ ہوئی۔ تب میں ذرا بھی روتی تو وہ میرے آنسو پونچھتے اور میرا دل بہلاتے۔ اب انہیں کیا خبر کہ یہ آنکھیں کتنا روتی ہیں اور اس دل نے کیسے صدمے اٹھائے ہیں۔ کیا خبر تھی کہ ہماری قسمتیں ایسے گل کھلائیں گی۔ ایک بیوگن ہو جائے گی اور دوسرا سنیاسی۔

یکا یک مادھوی کو خیال آیا کہ سبھاما کو شاید بالا جی کے آنے کی خبر نہ ہوئی ہو۔ برجن کے پاس آ کر بولی۔ ''بہن ذرا میں چچی کے یہاں جاتی ہوں، نہ جانے کسی نے ان سے کہا یا نہیں''

پران ناتھ باہر آ رہے تھے۔ یہ سن کر بولے ''وہاں سویرے ہی سب سے پہلے خبر

ہوگئی۔خوب تیاریاں ہورہی ہیں۔بالاجی بھی سیدھے گھر کی طرف ہی جائیں گے۔ ادھر سے اب نہ آئیں گے''

برجن:''تو ہم لوگوں کو چلنا چاہیے۔کہیں دیر نہ ہوجائے''

مادھوی:''آرتی کا تھال لاؤ''

برجن:''کون لے چلے گا مہری کو بلالو(چونک کر)ارے یہ تیرے ہاتھ میں خون کہاں سے آیا؟''

مادھوی:''اونہہ پھول چنتی تھی،کانٹے لگ گئے ہوں گے''

چندرا:''ابھی تو نئی ساڑھی آئی ہے۔آج ہی پھاڑ کے رکھ دی''

مادھوی:''تمہاری بلا سے''

مادھوی نے یہ کہہ تو دیا مگر آنکھیں پر آب ہوگئیں۔چندرا یوں بہت نیک عورت تھی مگر جب سے بابو رادھاچرن نے قومی خدمت کے لیے نوکری سے استعفیٰ دیا تب سے وہ بالاجی کے نام سے چڑتی تھی۔برجن سے تو کچھ کہہ نہ سکتی تھی۔مادھوی کو چھیڑتی رہتی تھی۔برجن نے چندرا کی طرف گھور کر مادھوی سے کہا''جاؤ صندوق سے دوسری ساڑھی نکال کر اسے رکھ آؤ رام رام مار کے ہاتھ چھلنی کردیا''

''دیر ہوجائے گی میں یوں ہی چلوں گی''

''نہیں ابھی آدھ گھنٹہ سے زیادہ مہلت ہے''

یہ کہہ کر برجن نے پیار سے مادھوی کا ہاتھ دھویا۔اس کے بال گوندھے۔ایک خوبصورت ساڑھی پہنائی چادر اڑھائی اور اسے گلے سے لگا کر پر آب آنکھوں سے تاکتی ہوئی بولی''بہن دیکھو دھیرج ہاتھ سے نہ جائے''

مادھوی مسکرا کر بولی''تم میرے ساتھ ہی رہنا،مجھے سنبھالتی رہنا۔مجھے اپنے آپ پر بھروسہ نہیں ہے''

برجن سمجھ گئی کہ آج پریم نے مدہوشی کا درجہ اختیار کیا۔اور شاید یہی اس کی انتہا

ہے۔ آہ! یہ باولی بالو کی دیوار کھڑی کر رہی ہے۔

تھوڑی دیر میں مادھوی، برجن، سیوتی، چندرا کئی عورتوں کے ساتھ سباما کے گھر کو چلیں۔ وہاں کی تیاریاں دیکھیں تو دنگ رہ گئیں۔ دروازہ پر ایک نہایت وسیع شامیانہ کھڑا تھا۔ فرش فرش اور شیشہ و آلات سے آراستہ نوبت جھڑ رہی تھی۔ بڑے بڑے ٹوکروں میں میوے اور مٹھائیاں رکھی ہوئی تھیں۔ شہر کے روسائے نامدار خوش وضع لباس پہنے ہوئے استقبال کرنے کو کھڑے تھے۔ فٹن اور گاڑیاں ایک بھی نظر نہ آتی تھیں کیونکہ بالا جی ہمیشہ پیدل ہی چلا کرتے تھے۔ بہت سے لوگ گلے میں جھولیاں ڈالے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ جن میں شاید بالا جی پر نثار کرنے کے لیے روپے پیسے بھرے ہوئے تھے۔ راجہ دھرم سنگھ کے پانچوں لڑکے رنگین کپڑے پہنے، زعفرانی صافے باندھے، ریشمی جھنڈے کمر میں کھونسے بجا رہے تھے۔ جوں ہی لوگوں کی نظر برجن پر پڑی۔ ہزاروں سر فرط ادب سے خم ہو گئے۔ جب یہ خاتون اندر گئی تو وہاں بھی آنگن اور سائبان اور کمرے دلہن کی طرح سجے ہوئے پائے۔ صدہا عورتیں مبارکباد گانے کے لیے بیٹھی ہوئی تھیں۔ پھولوں کے ڈھیر بجا بجا پڑے ہوئے تھے۔ سباما ایک سفید ساڑھی پہنے صبر و الم کی تصویر بنی ہوئی دروازے پر کھڑی تھی۔ برجن اور مادھوی کو دیکھتے ہی آبدیدہ ہو گئی۔ برجن بولی ''چچی آج اس گھر کے بھاگ جاگے ہیں'' سباما نے رو کر کہا ''تمہاری بدولت مجھے آج یہ دن دیکھنا نصیب ہوا ہے ایشور تمہیں اس کا پھل دے''

غم نصیب ماں کے تہہ دل سے یہ دعا نکلی۔ یک غم نصیب ماں کی بد دعا نے رجاہ دشرتھ کو بیٹے کے فراق میں شربت مرگ چکھایا تھا۔ کیا سباما کی یہ دعا بے اثر رہے گی؟

دونوں ابھی اسی طرح باتیں کر رہی تھیں کہ گھنٹے اور ناقوسوں کی صدائیں آنے لگیں۔ شور مچا کی بالا جی آ پہنچے۔ عورتوں نے مبارکباد گانا شروع کیا۔ مادھوی نے

آرتی کا تھال لے لیا۔ اور راستہ کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھنے لگی۔ ذرا دیر میں وردی پوش نوجوانوں کی ایک جماعت نظر آئی۔ اس کے بعد ارجن سبھا کے ایک سو پچیس ممبر گھوڑوں پر سوار دکھائی دیئے۔ ان کے پیچھے بے شمار آدمیوں کا ہجوم تھا۔ سارا شہر پھٹ رہا تھا۔ شانے سے شانے چھل رہے تھے۔ سمندر کی ایک لہر تھی کہ بڑھتی چلی آتی تھی۔ اس ہجوم میں بالا جی کا چہرہ ایسا نظر آتا تھا، جیسے بادل سے چاند نکلا ہوا ہو۔ پیشانی پر سرخ چندن کا تلک تھا اور گردن میں گیروے رنگ کی چادر پڑی ہوئی تھی۔

سباما دروازے پر کھڑی تھی جوں ہی بالا جی کا چہرہ اسے نظر آیا، ضبط ہاتھ سے جاتا رہا تھا۔

دروازہ سے باہر نکل پڑی اور سر جھکائے آنکھوں سے موتی پروتی بالا جی کی طرف چلی۔ آج اس نے اپنا کھویا ہوا لعل پایا ہے اور اسے گلے سے لگانے کے لیے بے قرار ہو رہی ہے۔

سباما کو اس طرح آتے دیکھ کر سب لوگ رک گئے۔ معلوم ہوتا تھا کہ سباما آسمان سے کوئی دیوی اتر آئی ہے۔ چوطرفہ سناٹا چھا گیا۔ بالا جی نے کئی قدم آگے بڑھ کر ماں کو پرنام کیا اور اس کے پیروں پر گر پڑے۔ سباما نے اس کا سر اپنی گود میں لے لیا۔ اور ان کے ماتھے پر کئی بوسے دیئے۔ آج اس نے اپنا کھویا ہوا لال پایا ہے اس پر آنکھوں سے موتی برسا رہی ہے۔

اس روح افزا نظارے کو دیکھ کر لوگوں کے دل قومیت کے نشہ سے مدہوش ہو گئے۔ پچاس ہزار گلوں سے آواز آئی ''بالا جی کی جے'' بادل گرجا اور چاروں طرف سے پھولوں کی برکھا ہونے لگی۔ پھر اسی طرح گھن گرج کی صدا بلند ہوئی ''منشی سالگرام کی'' اور ہزاروں آدمی حب وطن کے نشہ سے مست ہو کر دوڑے اور سباما کے قدموں کی خاک پیشانی پر ملنے لگے۔ ان نعروں سے سباما ایسی خوش ہو رہی تھی جیسے مہور کے سننے سے ناگن متوالی ہو جاتی ہے۔ آج اس نے اپنا کھویا ہوا لال پایا ہے۔

اس بے بہا رتن کے ملنے سے وہ رانی ہوگئی ہے۔ اسی رتن کی بدولت آج اس کے قدموں کی خاک لوگوں کی آنکھوں کا سرمہ اور ماتھے کا چندن بن رہی ہے۔

عجیب حیات بخش نظارہ تھا بار بار رجے جے کے نعرے بلند ہوتے تھے۔ اور عالم بالا کے بسنے والوں کو بھارت بیداری کا مژدہ سناتے تھے۔ ماں اپنے بیٹے کو کلیجے سے لگائے ہوئے ہے۔ بہت دن کے بعد آج اس نے اپنا کھویا ہوا لال پایا ہے۔ وہ لال جو اس کے جنم بھر کی کمائی تھی پھول چاروں طرف نثار ہو رہے تھے۔ زر و جواہر کی بارش ہو رہی تھی۔ ماں اور بیٹا کمر تک پھولوں کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ایسا پر اثر سین کس کی آنکھوں نے دیکھا ہوگا۔

سبھا، بالا جی کا ہاتھ پکڑ کر گھر کی طرف چلی، دروازہ پر پہنچتے ہی عورتیں مبارکباد گانے لگیں۔ مادھوی سنہرے تھال میں دھوپ، دیپ پھولوں سے آرتی اتارنے لگے۔ برجن نے پھولوں کی مالا ان کے گلے میں ڈال دی۔ وہ مالا جسے مادھوی نے اپنے خون سے رنگا ہوا تھا۔ بالا جی نے چشم پر آب سے برجن کی طرف دیکھ کر پرنام کیا۔

مادھوی کو بالا جی کے درشن کی آرزو تھی۔ مگر اس وقت اس کی آنکھیں زمین کی طرف جھکی ہوئی تھیں۔ بالا جی کی طرف نہیں تاک سکی۔ اسے خوف ہے کہ میری آنکھیں بھید کھول دیں گی۔ ان میں پریم رس بھرا ہوا ہے۔ آج پہلی بار مادھوی کے دل میں نئی آرزوئیں پیدا ہوئی ہیں۔ اب تک اس کی سب سے بڑی آرزو تھی کہ بالا جی کے درشن پاؤں مگر آج آرزوؤں نے سر ابھارا ہے پوری ہونے کے لیے نہیں، آج باغ حسرت میں ایک نئی کلی لگی ہے کھلنے کے لیے نہیں بلکہ مرجھانے کے لیے اور مرجھا کر خاک ہو جانے کے لیے مادھوی کو کون سمجھائے کہ تو ان آرزوؤں کو دل میں پیدا نہ ہونے دے۔ یہ آرزوئیں تجھے بہت رلائیں گی۔ تیری محبت خیالی ہے۔ تو اس کے مزے سے ناواقف ہے۔ کیا اب واقعی محبت کا مزا لیا چاہتی ہے۔

پریم کا سپنا

انسان کا دل آرزوؤں کا کاشانہ ہے اور حسرتوں کی بستی، کوئی زمانہ وہ تھا کہ مادھوی ماں کی گود میں کھیلتی تھی۔ اس وقت دل آرزوؤں اور حسرتوں سے خالی تھا۔ مگر جب مٹی کے گھروندے بنانے لگی تو اس وقت دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ میں اپنی گڑیا کا بیاہ کروں۔ سب لڑکیاں اپنی گڑیا بیاہ رہی ہیں۔ کیا میری گڑیا کنواری رہے گی۔ میں اپنی گڑیا کو گہنے بنوا دوں گی۔ اس کا بیاہ رچاؤں گی۔ اس آرزو نے اسے مہینوں رلایا مگر گڑیا کی قسمت میں بیاہ نہ بدا تھا۔ ایک روز بادل گھر آئے اور موسلا دھار پانی برسا۔ گھروندا مینہ میں بہہ گیا اور گڑیا کے بیاہ کی حسرت رہ گئی۔

کچھ دن اور گزرے۔ ماں کے ساتھ برجن کے گھر آنے جانے لگی۔ اس کی میٹھی میٹھی باتیں سنتی اور خوش ہوتی۔ اس کے تھال میں کھاتی اور اس کی گود میں سوتی۔ اس وقت بھی اس کے دل میں ایک آرزو تھی کہ میرا خوب اچھا گھر ہوتا۔ اس میں چاندی کے کواڑ لگے ہوتے۔ زمین ایسی صاف ہوتی کہ مکھی بیٹھے اور پھسل جائے۔ میں برجن کو اپنے گھر لے جاتی، وہاں اچھی اچھی چیزیں بناتی اور کھلاتی۔ اچھے سے پلنگ پر سلاتی اور اس کی خوب سیوا کرتی۔ یہ آرزو برسوں تک دل میں چٹکیاں لیتی رہی مگر اسی گھروندے کی طرح یہ گھر بھی ڈھے گیا اور آرزوئیں مبدل بہ حسرت ہوگئیں۔

کچھ دن اور گزرے۔ بہار کے دن آئے۔ برجن نے اس کے دل میں پرتاپ چند کی تصویر کھینچنی شروع کی۔ ان دنوں اس ذکر کے سوا کوئی بات اچھی نہ لگتی۔ آخر پرتاپ چند کی چیری بننے کی آرزو دل میں پیدا ہوئی۔ لیٹے لیٹے دل سے باتیں کیا کرتیں۔ راتوں کو جاگ جاگ کر سن کر مٹھائی کھاتی۔ ان خیالوں سے دل پر ایک نشہ سا ہو جاتا ہے مگر پرتاپ چند اسی اثنا میں لاپتہ ہو گئے۔ اور اسی مٹی کے گھروندے کی طرح یہ ہوائی قلعے بھی ڈھے گئے۔ آرزوؤں کی جگہ دل میں حسرتیں رہ گئیں۔

اب حسرتوں کے ہجوم سے دل میں آرزوؤں کی جگہ باقی نہ رہی۔ دیوتاؤں کی اپا سنا کرنے لگی۔ برت رکھنے لگی تا کہ پرتاپ چند پر زمانہ کی بری نگاہ نہ پڑے۔ اس طرح اس نے مدت تک تپسونی کی زندگی بسر کی۔ خیال محبت کے نشہ میں چور رہتی۔ مگر آج تپسونی کا برت ٹوٹ گیا اور دل میں نئی آرزوؤں نے سر اٹھایا۔ دس سال کی تپسیا ایک لمحہ میں بھنگ ہوگئی۔ کیا یہ آرزوئیں بھی مٹی کے گھروندے کی طرح پامال ہو جائیں گی۔

آج جب سے مادھوی نے بالا جی کی آرتی اتاری ہے اس کے آنسو نہیں تھمتے۔ سارا دن گزر گیا اور ایک ایک کر کے تارے نکلنے لگے۔ سورج تھک کر چھپ گیا۔ اور چڑیاں تھک کر گھونسلوں میں آ بیٹھیں۔ مگر مادھوی کی آنکھیں نہیں تھکتیں۔ وہ سوچتی کہ ہائے! کیا میں اسی لیے رونے کے لیے بنائی گئی ہوں میں کبھی ہنستی بھی تھی کہ جس کے بدلے اتنا روتی ہوں آہ! روتے روتے آدھی عمر گزر گئی۔ کیا یہ باقی دن بھی یوں ہی کٹیں گے۔ کیا میری زندگی میں ایک دن بھی ایسا نہ آئے گا۔ جسے یاد کر کے تسکین ہو کہ میں نے بھی کبھی اچھے دن دیکھے تھے۔

آج سے پہلے مادھوی کبھی ایسی یاس زدہ اور شکستہ خاطر نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنی خیالی محبت میں مخمور تھی۔ آج اس کے دل میں نئی آرزوئیں پیدا ہوئی ہیں۔ اور یہ آنسو انہیں کے کرشمے ہیں۔ جو دل سولہ برس تک حسرتوں کی آرام گاہ رہ چکا ہو وہی اس وقت مادھوی کے خیالات کا اندازہ لگا سکتا ہے۔

سباما کے دل میں بھی آج نئی آرزوؤں نے سر ابھارا تھا۔ جب تک بالا جی کو دیکھا نہ تھا سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ ایک نظر دیکھ کر کلیجہ ٹھنڈا کر لیتی۔ آج جب ایک نظر دیکھ لیا تو کچھ اور دیکھنے کی ہوس پیدا ہوئی۔ مگر افسوس مادھوی کے گھروندے کی طرح خاک میں مل جانے کے لیے۔

آج سباما، برجن اور بالا جی میں شام تک باتیں ہوتی رہیں۔ بالا جی نے اپنے

تجربات بیان کیے۔ سبھا نے اپنی رام کہانی سنائی اور برجن نے بہت سنا۔ منشی سنجیون لال کے سنیاسی کی خبر پا کر دونوں روئیں۔ جب چراغ جلانے کا وقت آ پہنچا تو بالا جی گنگا کی طرف چلے گئے۔ اور سبھا، کھانا پکانے بیٹھی۔ آج کتنے دنوں کے بعد وہ من لگا کر کھانا پکا رہی ہے۔

دونوں باتیں کرنے لگیں

سبھا: ''میری یہ دلی لالسا تھی کہ میرا لڑکا دنیا میں نیک نام ہو اور ایشور نے میرے لالسا پوری کر دی۔ پرتاپ نے باپ کا اور خاندان کا نام روشن کر دیا۔ آج جب سویرے پتی جی کی جے کے نعرے لگ رہے تھے تو میرا دل امڈ امڈ کر آتا تھا۔ میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ وہ یہ ویراگ تیاگ دیں۔ دیش کا اپکار کرنے سے میں انہیں نہیں روکتی۔ میں نے یہی ور دیوی جی سے مانگا تھا۔ مگر انہیں سنیاس میں دیکھ کر میرا کلیجہ بیٹھا جاتا ہے''

برجن: سبھا کا مطلب سمجھ گئی بولی ''چچی یہ بات تو میرے دل میں پہلے ہی جمی ہوئی تھی موقع پاتے ہی ضرور ذکر کروں گی''

سبھا: ''موقع شاید ہی ملے۔ ان کا کون ٹھکانا۔ اسی وقت جی میں آوے کہیں چل دیں۔ سنتی ہوں سونٹا ہاتھ میں لیے اکیلے جنگلوں میں گھومتے پھرتے ہیں۔ مجھ سے اب بے چاری مادھوی کی دشا نہیں دیکھی جاتی۔ اسے دیکھتی ہوں تو جیسے کوئی میرے کلیجے کو کچلنے لگتا ہے۔ میں نے بہت سی عورتیں دیکھی ہیں اور ان بہتوں کا حال کتابوں میں بھی پڑھا ہے مگر ایسا پریم کہیں نہیں دیکھا۔ بے چاری نے آدھی عمر رو رو کر کاٹ دی ہے۔ اور کبھی منہ سے شکایت کا ایک لفظ نہیں نکالا۔ میں نے کبھی اسے روتے نہیں دیکھا۔ مگر رونے والی آنکھیں اور ہنسنے والے منہ چھپے نہیں رہتے۔ مجھے ایسی ہی بہو کی لالسا تھی۔ وہ بھی ایشور نے پوری کر دی۔ تم سے سچ کہتی ہوں میں اسے اپنی بہو ہی سمجھتی ہوں آج سے نہیں برسوں سے''

برج رانی: ''آج اسے دن بھر روتے دیکھا۔ بہت اداس دکھائی دیتی تھی''

سباما: ''تو آج اس کا ذکر چھیڑو، ایسا نہ ہو کل کسی طرف کی راہ لیں، پھر ایک جگ تک انتظار کرنا پڑے''

برج رانی: ''(غور کر کے) ذکر کرنے کو تو میں تیار ہوں مگر مادھوی خوبی سے یہ کام کر سکتی ہے۔ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا''

سباما: ''وہ بیچاری کیا کہے گی؟''

برج رانی: ''اس کی آنکھیں آپ ساری رام کہانی کہہ دیں گی''

سباما: ''وہ اپنے دل میں کیا کہیں گے''

برج رانی: ''کہیں گے کیا؟ یہ تمہاری بھول ہے کہ تم مادھوی کو کنواری سمجھ رہی ہو۔ مدت گزری کہ وہ پرتاپ چند کی دلہن بن چکی ہے۔ ایشور کے یہاں اس کا بیاہ ان سے ہو چکا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا کیا دنیا آدمیوں سے خالی تھی۔ اپنی مادھوی جیسی عورت کو کون آنکھوں میں نہ بٹھائے گا۔ کیا اس نے اپنی آدھی جوانی مفت میں رو رو کر گنوائی ہے۔ اس نے آج تک کسی غیر شخص کو خیال میں بھی جگہ نہیں دی۔ بارہ برسوں سے تپسونی کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ وہ پلنگ پر نہیں سوئی۔ کبھی کوئی رنگین کپڑا نہیں پہنا۔ بال تک نہیں گھوندھائے۔ کیا یہ سب باتیں نہیں کہتیں کہ مادھوی کا بیاہ ان سے ہو چکا ہے۔ دلوں کا ملاپ سچا بیاہ ہے سیندور کا ٹیکہ اور گٹھ بندھن اور بھانوریں یہ سب دنیا کے ڈھکوسلے ہیں''

''اچھا جیسا مناسب سمجھو کرو، میں صرف جگ ہنسائی سے ڈرتی ہوں''

رات کے نو بج گئے تھے۔ آسمان پر تارے چھٹکے ہوئے تھے۔ مادھوی باغیچہ میں اکیلی بیٹھی ہوئی تاروں کو دیکھتی تھی۔ اور دل میں سوچتی تھی کہ یہ دیکھنے میں کیسے چمکیلے ہیں مگر کتنی دور۔ کوئی وہاں تک پہنچ سکتا ہے؟ کیا میری امیدیں بھی انہی تاروں کی طرح ہیں؟ اتنے میں برجن نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ہلا دیا۔ مادھوی چونک پڑی

برجن: ''اندھیرے میں بیٹھی کیا کر رہی ہے؟''

مادھوی: ''کچھ نہیں تاروں کو دیکھ رہی ہوں۔ وہ کیسے خوشنما ہیں مگر مل نہیں سکتے۔

برجن کے کلیجہ میں برچھی لگ گئی۔ ضبط کر بولی'' یہ تارے گننے کا وقت نہیں جس مہمان کے لیے آج سویرے تک پھولی نہیں سماتی تھی۔ کیا اسی طرح اس کی مہمانداری کرو گی؟

مادھوی: ''میں ایسے مہمان کی مہمانداری کرنے کے قابل کب ہوں؟''

برجن: ''اچھا یہاں سے اٹھو میں مہمانداری کرنے کا ڈھنگ بتاؤں گی''

یہ کہہ کر برجن نے مادھوی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور اٹھا دیا دونوں اندر آئیں۔ سبا ما کھانا پکا چکی تھی۔ بالا جی کو ماں جی کا بنایا ہوا کھانا آج مدتوں کے بعد ملا۔ بڑی رغبت سے کھایا۔ سبا ما کھلاتی جاتی تھی اور روتی جاتی تھی۔ جب بالا جی کھا پی کر لیٹے تو برجن نے مادھوی سے کہا'' اب یہاں کونے میں منہ ڈھانپ کر کیا کر رہی ہو؟''

مادھوی: ''کچھ دے دو کھا کے سو رہوں اب یہی جی چاہتا ہے''

برجن: ''مادھوی ایسی نراش نہ ہو کیا اتنے دنوں کا برت ایک دن میں بھنگ کر دے گی؟''

مادھوی اٹھی مگر دل بیٹھا جاتا تھا۔ جیسے بادلوں کی کالی کالی گھٹائیں اٹھتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے جل تھل ایک ہو جائے گا۔ مگر یکا یک پچھوا ہوا چلنے لگتی ہے۔ اور سارے بادل کائی کی طرح پھٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح بالکل اس وقت مادھوی کے دل کی کیفیت ہو رہی ہے۔

یہ مبارک دن دیکھنے کی آرزو اس کے دل میں کتنے دنوں سے تھی۔ کبھی وہ دن آئے گا کہ میں ان کے درشن کروں گی اور امرت کی سی باتیں سنوں گی۔ اس دن کے لیے اس نے کیسی منتیں مانی تھیں۔ اس دن کے خیال ہی سے اس کا دل کیسا کھل اٹھا تھا۔

آج صبح مادھوی بہت خوش تھی۔اس نے بڑے شوق سے پھولوں کا ہار گوندھا تھا۔ سینکڑوں کانٹے ہاتھ میں چبھا لیے۔متوالوں کی طرح گرتی پڑتی تھی۔ یہ سب خوشی اور نشہ اسی لیے تو تھا کہ آج وہ مبارک دن آ گیا۔جس کی طرف مدت سے آنکھیں لگی ہوئی تھیں۔وہ زمانہ بھی اب یاد نہیں۔جب یہ آرزو دل میں نہ رہی ہو مگر اس وقت مادھوی کے دل کی کیفیت نہیں۔خوشی کی بھی انتہا ہوتی ہے۔غالباً وہ مادھوی کی خوشی کی انتہا تھی۔جب وہ باغیچہ میں جھوم رہی تھی کہ پھولوں سے آنچل بھر رہی تھی۔جس نے کبھی خوشی کا مزہ نہ چکھا ہو اس کے لیے اتنی ہی خوشی کا معراج کامرانی تھی۔وہ غریب اس سے زیادہ خوشی کا بوجھ سنبھال سکتی تھی۔جب ہونٹوں پر کبھی ہنسی ہی نہیں آئی ان کا مسکرانا ہی ہنسی ہے۔تم اپنے سے زیادہ ہنسنے کی امیدیں کیوں رکھتی ہو۔ مادھوی بالا جی کی طرف چلی۔مگر اس طرح نہیں جیسے ایک نئی نویلی دلہن۔ارمانوں سے بھری ہوئی سنگھار کیے اپنے پتی کے پاس جاتی ہے۔یہی کمرہ تھا جسے وہ اپنے دیوتا کا مندر سمجھتی تھی۔جب مندر خالی تھا تب وہ آ آ کر اس میں آنسوؤں کے پھول چڑھاتی تھی۔آج جب دیوتا نے باس کیا ہے تو وہ یوں کیوں مچل مچل کر آ رہی ہے۔

رات خوب بھیگ چکی تھی۔سڑک پر سے گاڑیوں کی گھنٹیوں کی آوازیں کان میں آ رہی تھیں۔ مادھوی دبے پاؤں بالا جی کے کمرہ کے دروازہ تک گئی۔اس کا دل دھڑک رہا تھا اندر جانے کی ہمت نہ پڑی۔کسی نے پیر تھام لیے۔وہ الٹے قدم لوٹ آئی اور زمین پر بیٹھ کر رونے لگی۔اس کے دل نے کہا مادھوی! یہ بڑے شرم کی بات ہے تو بالا جی کی چیری سہی۔مانا کہ تجھے ان سے پریم ہے مگر تو ان کی دلہن نہیں ہے۔ تجھے اس وقت ان کے کمرہ میں قدم رکھنا ہرگز مناسب نہیں۔تیرا پریم تجھے ان کی پتنی نہیں بنا سکتا۔پریم اور چیز ہے۔سہاگ اور چیز ہے پریم دل کا جھکاؤ ہے اور بیاہ ایک پاک فرض ہے۔تب مادھوی کو ایک بیاہ یاد آیا۔دولہے نے بھری سبھا میں دلہن کی باہنہ پکڑی تھی۔اور کہا تھا کہ اس استری کو میں اپنے گھر کی مالکہ اور اپنے دل کی

دیوی سمجھتا رہوں گا۔ اس سبھا کے لوگ، آکاش، اگنی اور دیوتا اس کے گواہ رہیں گے۔ آہ! کیسے مبارک الفاظ ہیں۔ مجھے بھی کبھی یہ الفاظ سننے نصیب ہوں گے۔ میں نہ اگنی کو اپنا ساکشی بنا سکتی ہوں، نہ دیوتا کو، نہ آکاش کو۔ مگر اے اگنی، اے آکاش کے تارو، اے دیولوک کے باسیو تم شاہد رہنا کہ مادھوی نے بالا جی کی پاک صورت کو دل میں جگہ دی ہے۔ مگر کسی ناپاک خیال کو دل میں نہ آنے دیا۔ اگر میں نے کمرہ کے اندر قدم رکھا ہو تو اے اگنی اسی وقت مجھے جلا کر راکھ کر دینا اے آکاش! اگر تو نے اپنی ہزار آنکھوں سے مجھے کمرہ میں جاتے دیکھا ہو تو اسی دم مجھ پر اندر کا بجر گرا دے۔

مادھوی کچھ دیر تک انہیں خیالات میں ڈوبی بیٹھی رہی۔ یکا یک اس کے کان میں بھک بھک کی آواز آئی۔ اس نے چونک کر دیکھا تو بالا جی کا کمرہ بہت زیادہ روشن ہو گیا تھا۔ اور کھڑکیوں سے روشنی نکل کر باہر آ رہی صحن میں پھیل رہی تھی۔ مادھوی کے پیروں تلے سے مٹی نکل گئی۔ معاً خیال گزرا کہ میز کا لیمپ بھبک اٹھا۔ ہوا کی طرح وہ بالا جی کے کمرے میں گھسی۔ دیکھا تو لیمپ پھٹ کر زمین پر گر پڑا ہے۔ اور فرش میں تیل کے پھیل جانے سے آگ لگ گئی ہے۔ دوسرے کنارے بالا جی آرام سے سو رہے ہیں۔ ابھی تک ان کی نیند نہیں کھلی تھی۔ انہوں نے قالیت سمیٹ کر ایک کونے میں رکھ دیا تھا۔ بجلی کی طرح لپک کر مادھوی نے یہ قالین اٹھا لیا اور اسے شعلوں کے اوپر گرا دیا۔ دھماکے کی آواز ہوئی تو بالا جی نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ کمرہ میں دھواں بھرا ہوا تھا اور چاروں طرف تیل کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ واقعہ کی صورت سمجھ گئے بولے ''بڑی خیریت ہوئی ورنہ کمرہ میں آگ لگ گئی تھی''

مادھوی: ''جی ہاں ذرا لیمپ گر پڑا تھا''

بالا جی: ''تم بڑے موقع سے آ پہنچیں۔ کیسے معلوم ہوا تمہیں؟''

مادھوی: ''میں یہیں باہر بیٹھی تھی''

بالا جی: ''تم کو بڑی تکلیف ہوئی۔ اب جا کر سو جاؤ، رات زیادہ ہوگئی ہے''

مادھوی: ''چلی جاؤں گی، سونا تو روز ہے یہ موقع نہ جانے پھر کب آئے''

مادھوی کی آواز میں غضب کا درد تھا۔ بالا جی نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔ اٹھارہ سال پہلے انہوں نے مادھوی کو دیکھا تھا۔ اس وقت وہ ایک کھلتی ہوئی کلی تھی۔ اور آج ایک مرجھایا ہوا پھول۔ نہ چہرہ تازگی۔ نہ آنکھوں میں روشنی، نہ مانگ میں سہاگ کا ڈورا تھا اور نہ ماتھے پر سیندور کا ٹیکہ۔ جسم پر زیوروں کا نشان بھی نہ تھا۔ بالا جی نے قیافہ سے سمجھا کہ بدھاتا نے عین شباب میں اس دکھیا کا سہاگ ہرلیا ہے۔ بہت مغموم ہوکر بولے ''کیوں مادھوی تمہارا بیاہ تو ہوگیا ہے''

مادھوی کے کلیجہ میں چھری اتر گئی۔ آبدیدہ ہوکر بولی ''جی ہاں ہوگیا ہے''

''بالا جی: اور تمہارا پتی؟''

مادھوی: ''انہیں کچھ میری سدھ ہی نہیں۔ ان کا بیاہ مجھ سے نہیں ہوا'' بالا جی متحیر ہو کر بولے ''تمہارا پتی کیا کرتا ہے؟''

مادھوی: ''دیش کی سیوا''

بالا جی کی آنکھوں کے سامنے سے ایک پردہ سا ہٹ گیا، مادھوی کا مطلب سمجھ گئے پوچھا ''مادھوی! اس بیاہ کو کتنے دن ہوئے؟''

''مجھے کچھ یاد نہیں بہت دن ہوئے شاید اٹھارہ بیس سال''

بالا جی کی آنکھیں پرآب ہوگئیں۔ اور چہرہ پر قومی غرور کا نشہ سا چھا گیا۔ بھارت ماتا! آج اس گئے گزرے زمانہ میں بھی تمہاری گود میں ایسی ایسی دیویاں کھیل رہی ہیں جو ایک خیال پر زندگی اور جوانی کی آرزوئیں قربان کرسکتی ہیں بولے ''ایسے پتی کو تیاگ کیوں نہیں دیتیں؟''

مادھوی نے بالا جی کی طرف پرغرور نگاہوں سے دیکھا بولی ''سوامی جی! آپ اپنی زبان سے ایسا نہ فرمائیں۔ میں ہندو عورت ہوں۔ میں نے گاندھاری اور ساوتری

کے کل میں جنم لیا ہے۔ جسے ایک بار دل سے اپنا پتی مان چکی اسے نہیں تیاگ سکتی۔ اگر میری زندگی یوں ہی روتے روتے کٹ جائے تو بھی اپنے پتی کی طرف سے ملال نہ ہوگا۔ جب تک میرے تن میں جان رہے گی، میں ایشور سے ان کی بھلائی چاہتی رہوں گی۔ میرے لیے یہی کیا کم ہے کہ ایسے مہاتما کے پریم نے میرے دل میں باس کیا ہے۔ میں اسی کو اپنا سوبھاگیہ سمجھوں گی۔ آج اٹھارہ سال سے زیادہ ہوا کہ میں نے بناؤ سنگھار کا خیال دل میں نہیں آنے دیا۔ میں نے ایک بار اپنے سوامی کو دور سے دیکھا تھا۔ اور وہ تصویر ایک دم کے لیے بھی میری نگاہوں سے نہیں اتری۔ جب کبھی میں بیمار ہوئی ہوں، اسی تصویر نے میری تیمارداری کی ہے۔ جب کبھی میں نے بیوگ کے دکھ سے بے چین ہوکر آنسو بہائے ہیں اسی تصویر نے مجھے ڈھارس دیا ہے۔ اس پتی کو میں تیاگ دوں۔ میں ہمیشہ اس کی ہوں اور ہمیشہ اسی کی رہوں گی۔ میرا دل اور میری جان اس کے نذر ہو چکے ہیں۔ اگر وہ کہے تو آج میں آگ کی گود میں ایسی خوشی سے جا بیٹھوں گویا پھولوں کی سیج ہے اگر میری جان اس کے کام آئے تو میں خوشی سے دے دوں گی۔ جیسے کوئی اپاسک دیوتا پر پھول چڑھا دیتا ہے۔''

مادھوی کا چہرہ خوشی سے گلگوں ہو رہا تھا بالاجی نے اس کی باتیں سنیں اور دم بخود ہو گئے۔ یہ وہ عورت ہے جس نے میرے خیال پر اپنی زندگی قربان کر دی۔ اس خیال سے بالاجی کی آنکھیں پر آب ہو گئیں۔ جس پریم میں ایک عورت نے اپنی زندگی جلا کر خاک کر دی ہو۔ اس کے لیے ایک آدمی کے استقلال کو جلا کر لینا کوئی بڑی بات نہیں۔ پریم کے مقابلے میں ضبط کوئی چیز نہیں ہے بولے ''مادھوی تم جیسی دیویاں بھارت کے لیے مایہ ناز ہیں۔ میں بڑا خوش نصیب ہوں کہ تمہارے پریم جیسی انمول چیز یوں میرے ہاتھ آ رہی ہے۔ اگر تم نے میرے لیے جوگن بننا پسند کیا ہے تو میں بھی تمہارے لیے اس سنیاس اور ویراگ کو خیرباد کہہ سکتا ہوں۔ جس کے لیے تم نے

اپنے تئیں مٹا ڈالا ہے، وہ تمہارے لیے بڑی سے بڑی قربانی کرنے سے نہ ہچکے گا''

مادھوی نے فوراً جواب دیا۔ وہ اس جواب کے لیے پہلے سے تیار تھی ''سوامی جی! میں بہت کمزور اور بے عقل عورت ہوں۔ مگر میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ ذاتی آرام کا خیال آج تک ایک لمحہ کے لیے بھی میرے دل میں نہیں آیا۔ مگر آپ نے یہ خیال کیا کہ میرے پریم کا معراج صرف یہ ہے کہ آپ کے پیروں میں سنسار کے بندھنوں کی بیڑیاں ڈال دوں تو (ہاتھ جوڑ کر) آپ نے اس کی حقیقت بالکل غلط سمجھی ہے۔ میرے پریم کا معراج صرف وہی ہے، جو آج کا دن مجھے حاصل ہو گیا ہے۔ آج کا دن میری زندگی کا سب سے مبارک دن ہے۔ آج میں اپنے پران ناتھ کے ساتھ کھڑی ہوں اور اپنے کانوں سے ان کی امرت سی باتیں سن رہی ہوں۔ سوامی جی! مجھے امید نہ تھی کہ زندگی میں مجھے یہ دیکھنا نصیب ہوگا۔ اگر میرے پاس دنیا کا راج ہوتا تو میں اس خوشی میں اسے آپ کے قدموں پر نثار کر دیتی۔ میں ہاتھ جوڑ کر آپ سے منت کرتی ہوں کہ مجھے اپنے چرنوں سے الگ نہ کیجئے گا۔ میں سنیاس لے لوں گی اور آپ کے ساتھ رہوں گی۔ میرا ویراگن بنوں گی۔ بھبھوت رماؤں گی۔ مگر آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گی، پران ناتھ۔ میں نے بہت دکھ سہے ہیں مگر اب یہ جلن نہیں سہی جاتی''

یہ کہتے کہتے مادھوی کا گلا رندھ گیا اور آنکھوں سے پریم کی دھارا بہنے لگی۔ اس سے وہاں بیٹھا نہ گیا۔ اٹھ کر پرنام کیا اور برجن کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ برج رانی نے اسے گلے لگا لیا اور پوچھا ''کیا بات چیت ہوئی؟''

مادھوی: ''جو تم چاہتی تھیں''

برج رانی: ''سچ؟ کیا بولے؟''

مادھوی: ''یہ نہ بتاؤں گی''

برج رانی کو گویا بڑی دولت مل گئی بولی ''ایشور نے بہت دنوں میں حوصلہ پورا کیا۔

میں اپنے یہاں سے بیاہ کروں گی'' مادھوی مایوسانہ انداز سے مسکرائی۔ برجن نے کانپتی آواز میں کہا ''ہم کو بھول تو نہ جائے گی'' اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ پھر آواز سنبھال کر بولی ''تو تم ہم سے اب بچھڑ جاؤ گی''

مادھوی: ''میں تمہیں چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں گی''

برجن: ''چل باتیں نہ بنا''

مادھوی: ''دیکھ لینا''

برجن: ''دیکھا ہے جوڑا کیسے پہنے گی؟''

مادھوی: ''سفید جیسے بگلے کا پر''

برجن: ''سہاگ کا جوڑا کیسر یئے رنگ کا ہوتا ہے''

مادھوی: ''میرا اجلا ہی رہے گا''

برجن: ''تجھے چندر ہار بہت پسند ہے۔ میں اپنے دے دوں گی''

مادھوی: ''ہار کی جگہ کنٹھی دے دینا''

برجن: ''کیسی باتیں کر رہی ہے؟''

مادھوی: ''اپنے سنگھار کی''

برجن: ''تیری باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔ تو اس وقت اتنی اداس کیوں ہے۔ تو نے اس رتن کے لیے کیسی کیسی باتوں کی تپسیا کی، کیسا کیسا جوگ سادھا، کیسے کیسے برت رکھے اور آج تجھے جب وہ رتن مل گیا تو خوش نہیں دکھائی دیتی''

مادھوی: ''تم بیاہ کی بات چیت کرتی ہو، اس سے مجھے صدمہ ہوتا ہے''

برجن: ''یہی تو خوش ہونے کی بات ہے''

مادھوی: ''بہن میرے بھاگ میں وہ خوشی لکھی ہی نہیں۔ جو چڑیا بادلوں میں گھونسلا بنانا چاہتی ہے، وہ سدا ڈالیوں پر رہے گی۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ زندگی کے یہ چند سال اسی طرح پریم کا سپنا دیکھنے میں کاٹ دوں''

الوداع

دوسرے دن بالا جی اشنان دھیان سیف ارغ ہو کر راجہ دھرم سنگھ کا انتظار کرنے لگے۔ آج رات گھاٹ پر ایک عظیم الشان گئو شالہ کی بنیاد پڑنے والی تھی۔ شہر کے کوچے و بازار مسکراتے نظر آتے تھے۔ سڑک پر دو رویہ بیرقیں اور جھنڈیاں لہرا رہی تھیں۔ سڑکیں نہا دھو کر اپنا سینہ فرش راہ کیے ہوئے تھیں۔ دروازے پھولوں کی مالا گلے میں ڈالے خیر مقدم کرنے کے لیے تیار تھے۔ کیونکہ آج حبیب وطن کی آمد ہے۔ جس نے اپنا سب کچھ وطن پر قربان کر دیا۔

خوشی کی دیوی اپنی سکھیوں، سہیلیوں کے ساتھ محو خرام تھی۔ ہوا مستی سے جھومتی پھرتی تھی۔ رنج و غم کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ جا بجا نوبت جھڑ رہی تھی۔ مرد خوش وضع لباس زیب تن کیے اٹھلاتے تھے۔ عورتیں سولہوں سنگھار کیے منگل گیت گا رہی تھیں۔ لڑکے زعفرانی صافے باندھے کلیلیں کرتے تھے۔ ہر مرد و زن کے چہرے سے خوشی جھلک رہی تھی۔ کیوں آج قوم کے ایک سچے جان نثار کی آمد ہے۔ جس نے اپنا سب کچھ قوم کی نذر کر دیا ہے۔

بالا جی جب اپنے جاں نثار رفیقوں کے ساتھ راج گھاٹ کی طرف چلے تو سورج نے گوشہ مشرق سے نکل کر استقبال کیا۔ ان کا مردانہ چہرہ جوں ہی لوگوں نے دیکھا۔ ہزاروں زبانوں سے بھارت کی جے کا پر جوش نعرہ نکلا اور فضائے آسمان کو چیرتا ہوا گنبد گردوں تک جا پہنچا۔ گھنٹے اور ناقاس کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اور مسرت سے دلآویز نغمے ہوا میں گونجنے لگے۔ جس طرح شمع کو دیکھتے ہی پروانے اس پر نثار ہونے کو ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اسی طرح بالا جی کو دیکھ کر لوگ بڑی تیزی سے ان کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ ارجن سبھا کے سو اسو ممبروں نے سلام کیا۔ ان کی خوشنما وردیوں اور سبک خرام گھوڑے نظروں میں کھبے جاتے تھے۔ اس جماعت کا ایک

ایک ممبر قوم کا سچا جان نثار تھا۔ اور ان کے پر جوش نعرے لوگوں کے دلوں کے حوصلہ سے لبریز کیے دیتے تھے۔ سڑک کے دونوں کنارے تماشائیاں کا ہجوم تھا۔ نوبتیں جھڑ رہی تھیں۔ پھول اور میوے برس رہے تھے۔ جا بجا شہر کی للتائیں سنگھار کیے ہوئے، سنہرے تھالوں میں کافور، پھول اور صندل لیے آرتی اتار رہی تھیں۔ دو کانیں عرس زیبا کی طرح آراستہ تھیں۔ سارا شہر رشک چمن بنا ہوا تھا۔ اور جس طرح ساون کے مہینہ میں کالی گھٹائیں اٹھتی ہیں۔ اور رہ رہ کر رعد کی گھن گرج صدا دلوں کو ہلا دیتی ہے، اسی طرح اس خلقت بے پایاں کی زبانوں سے بھارت کی جے کے حوصلہ خیز آوازیں دلوں میں گرمی اور ولولہ پیدا کر رہی تھیں۔ جب بالا جی چوک میں پہنچے تو ایک عجیب نظارہ دیکھا پانچ سو نوعمر لڑکے اودھے کے لیس دار کوٹ پہنے، زعفرانی رنگ کے پیچدار صافے باندھے اور ہاتھوں میں خوبصورت سونٹ لیے سر راہ کھڑے تھے۔ بالا جی کو دیکھتے ہی وہ دس دس کی قطاروں میں ہو گئے۔ اور اپنے ڈنڈے بجا بجا کر یہ پر اثر گیت گانے لگے۔

بالا جی تیرا آنا مبارک ہوئے
دھن دھن بھاگ ہیں اس نگری کے
دھن دھن بھاگ ہمارے
دھن دھن اس نگری کے باسی
جہاں تیرے چرن پدھارے
بالا جی تیرا آنا مبارک ہوئے

کیسا دلکش نظارہ تھا۔ نغمہ اگرچہ سادہ تھا۔ مگر متعدد اور موزوں آوازوں نے مل کر اسے بلا کا دلکش اور پر اثر بنا دیا۔ لوگوں کے قدم وہیں جم گئے اور چوطرفہ سناٹا چھا گیا۔ خموشی میں یہ ترانہ ایسا ہی سہانا معلوم ہوتا تھا جیسے رات کے سناٹے میں نغمہ عندلیب سارا عالم نقش حیرت بنا کھڑا تھا۔ غریب بھارت باسیو! تم نے ایسے

نظارے کہاں دیکھے۔ اس وقت خوب سیر ہو کر ت دیکھ لو۔ تم رقاصان دلنواز کی نغمہ سرائیوں سے آسودہ ہو گئے۔ حسینوں کی نازک ادائیاں بہت دیکھ چکے۔ گل وگلشن کی بہت سیریں کیں۔ مگر وہ مسرت علوی وہ حوصلہ طرب خیز جو اس وقت تم محسوس کر رہے ہو، تمہیں کہیں اور بھی حاصل ہوا تھا۔ رقاصان دلنواز کے نغمے اور حسینوں کی نازک ادائیاں اور گل وگلشن کی سیریں تمہارے نفس کو خوش کرتی ہیں۔ مگر تمہارے حوصلوں کو پست اور کمزور بنا دیتی ہیں۔ لیکن ایسے نظام تم میں قومیت اور قومی جوش اور قومی ہمدردی کا احساس پیدا کرتے ہیں۔ اگر تم نے اپنی زندگی میں ایک بار بھی یہ نظارہ دیکھا ہے تو اس کا پاک نقش تمہارے دلوں سے کبھی نہ مٹے گا۔

بالا جی کا وجیہ چہرہ روحانی مسرت کی روشنی سے منور ہو رہا تھا اور آنکھوں سے سچے قومی کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ جس طرح کسان اپنے لہلہاتے ہوئے کھیت کو دیکھ کر خوشی سے متوالا ہو جاتا ہے، وہی کیفیت اس وقت بالا جی کی تھی۔ جب نغمہ بند ہو گیا تو انہوں نے چند قدم آگے بڑھ کر دو چھوٹے چھوٹے بچوں کو اٹھا کر اپنے کندھوں پر بٹھایا اور عالم مستی میں زور سے ایک نعرہ لگایا ''بھارت ماتا کی جے''

اس طرح لوگ خراماں خراماں راج گھاٹ پہنچے۔ یہاں گئوشالہ کی ایک شاندار .فلک عمارت استقبال کے لیے کھڑی تھی۔ صحن میں مخملی فرش بچھایا تھا۔ محرابیں، ستون اور دروازے خوشنما پھولوں اور پتیوں سے سجے ہوئے تھے۔ مکان کے اندر کئی ہزار گائیں بندھی ہوئی تھیں بالا جی نے اپنے ہاتھوں سے ان کی ناندوں میں کھلی اور بھوسہ ڈالا۔ انہیں پیار سے تھپکیاں دیں۔ ایک وسیع کمرہ میں سنگ مرمر کا مثمن حوض بنا ہوا تھا۔ دودھ سے لبریز، بالا جی نے ایک چلو دودھ لے کر آنکھوں سے لگایا اور پی گئے۔ اس کے بعد ہزاروں آدمی اس چشمہ آب حیات سے فیض یاب ہوئے۔

ابھی صحن میں لوگ اطمینان سے بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ کئی آدمی بدحواس دوڑے